قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ

رواہ البخاری

سلسلہ

التبلیغ

کا

چھبیسواں وعظ مسمّٰی بہ

شکر المثنوی

منجملہ ارشادات حضرت قبلہ و کعبہ ام مرشدی و مولائی حافظ شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی دام ظلہم

حسب فرمائش جناب ناظم صاحب امداد المواعظ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

باہتمام ماہ جمادی الاولیٰ ۴۲ھ ہجری

احقر شبیر علی عفی عنہ

مالک اشرف المطابع تھانہ بھون نے ہندوستان الیکٹرک پرنٹنگ ورکس باہتمام لالہ شام بہاری لال دہلی

میں چھپوایا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شکر المثنوی

یعنی

تقریر حضرت مجدد الملۃ والدین مولانا محمد اشرف علی صاحب جو کہ آپ نے اس جلسہ میں فرمائی جو کہ بتقریب اختتام کتابت شرح مثنوی مدرسہ امداد العلوم میں بتاریخ ۴ شعبان المعظم ۱۳۳۶ھ منعقد ہوا تھا اور جسکو احقر العباد حبیب احمد کیرانوی نے ضبط کیا ؛

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم
ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لہا وما یمسک فلا مرسل لہ
من بعدہ وھو العزیز الحکیم۔ ایک عرصہ سے احباب کا تقاضا تھا کہ مثنوی کی شرح
کی ضرورت ہے اس لئے اس کے تمام دفتروں کی شرح ہونی چاہیے اسلئے میں نے اس کا

کام شروع کیا اور جس طرح ہوسکا دفتر اول اور دفتر ششم کی شرح کی باقی دفتروں کی شرح کا سرانجام چونکہ بعض عوائق کی وجہ سے مجھ سے بلا استعانت نہ ہوسکتا تھا اس لئے میں نے اس کی تکمیل میں اپنے بعض احباب سے مدد لی اور وہ بحمد اللہ اب مکمل ہوگئی چونکہ یہ ایک انعام تھا حق سبحانہٗ کی طرف سے اور ہر نعمت شکر کو مقتضی ہوتی ہے اس لئے ضرورت تھی کہ حق سبحانہٗ کے اس انعام کا شکر ادا کیا جاوے پس یہ جلسہ اس کے شکر کے لئے منعقد کیا گیا ہے جس میں تداعی و اہتمام و تکلف وغیرہ کو دخل نہیں لیکن جو آیت اس وقت اختیار کی گئی ہے اسپر بادی النظر میں عدم مناسبت بمقصود جلسہ کا شبہ ہوسکتا ہے کیونکہ اس میں بیان ہے حق سبحانہٗ کے تفرد بالغلبۃ والقدرۃ والحکمۃ کا جس کو شکر سے بظاہر کچھ مناسبت نہیں معلوم ہوتی اسلئے قبل اس کے کہ نفس آیت کے متعلق کچھ بیان کیا جاوے یہ بتلادینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیت متلوہ مقصود جلسہ سے بے تعلق نہیں ہے بلکہ اس کو اس سے ایک غامض اور باریک تعلق ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ شکر کے معنی ہیں منعم کے انعام کے جواب میں منعَم کا دل سے یا زبان سے یا ہاتھ پاؤں سے کوئی ایسا فعل کرنا جس سے منعم کی عظمت ظاہر ہوتی ہو پس اس وقت ہمارا حق سبحانہ کے انعام کے جواب میں اس آیت کا تلاوت کرنا جو کہ اس کی توحید صفاتی پر دلالت ہے اور اس کی تفرد بالقہر والغلبۃ والقدرۃ والحکمۃ کا دل اور زبان سے اقرار کرنا اس کلیے کا ایک فرد اور اس مقسم کی ایک قسم ہوگا اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ صرف اسی ایک آیت کا نہیں بلکہ ہر ایسی آیت جس سے حق سبحانہٗ کی توحید اور عظمت و جلالت شان ظاہر ہو اس کا تعلق شکر سے ہے اس سے نہایت واضح طور پر آیت متلوہ کا تعلق مقصد جلسہ سے ظاہر ہوگیا اب نفس آیت کے متعلق کچھ بیان کیا جاتا ہے اس آیت کا تعلق توحید سے ہے اپنی ذات سے بھی کیونکہ اس میں بیان ہے تفرد بالقدرۃ والغلبۃ والحکمۃ کا جو کہ توحید صفاتی کا فرد ہے اور اپنے سیاق سباق کے لحاظ سے بھی کیونکہ اس سے قبل حق سبحانہٗ نے فرمایا ہے۔ الحمد للہ فاطر السموٰت والارض جاعل الملٰئکۃ رسلا

اولی اجنحۃ مثنیٰ وثلث ورباع ویزید فی الخلق ما یشاء ان اللہ علی کل شئ قدیر اس میں انہوں نے اپنی ان صفات وافعال کا بیان کیا ہے جو ان کی ذات کی ساتھ مخصوص ہیں پس اس کا تعلق توحید صفاتی و توحید افعالی دونوں سے ہوگا اس کے بعد فرمایا ہے۔ یا ایھا الناس اذکروا نعمت اللہ علیکم ھل من خالق غیر اللہ یرزقکم من السماء والارض لا الٰہ الا ھو فانی تؤفکون اس میں توحید ذاتی و توحید صفاتی و توحید افعالی تینوں کا بیان ہے پس ان تینوں کا تعلق توحید سے ہے یہاں توحید کے بعد حق سبحانہ نے مسئلہ رسالت کو بیان فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے وان یکذبوک فقد کذبت رسل من قبلک والی اللہ ترجع الامور اس کے بعد معاد کا بیان فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے یا ایھا الناس ان وعد اللہ حق فلا تغرنکم الحیوۃ الدنیا ولا یغرنکم باللہ الغرور۔ یہ تینوں مسئلے امہات مسائل میں سے ہیں یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہ نے قرآن پاک میں ان تینوں کو نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور ان پر زبردست براہین قائم کی ہیں امام رازی نے اس پر جا بجا تنبیہ کی ہے اور انہوں نے ثابت کیا ہے کہ یہ تینوں مسئلے اصل ہیں اور باقی مسائل انکی فروع اور یہ مضمون بالکل ٹھیک ہے جو شخص بامعان نظر قرآن کریم کا مطالعہ کریگا اس کو اسکی قدر ہوگی اور وہ اس کی تصدیق کرے گا ان تینوں میں سب سے اہم مسئلہ توحید ہے اس کے بعد مسئلہ رسالت اس کے بعد مسئلہ معاد اس لئے حق سبحانہ نے اس مقام پر اول مسئلہ توحید کو بیان فرمایا اس کے بعد مسئلہ رسالت کو اس کے بعد مسئلہ معاد کو اس گفتگو کا تعلق تو نوعیت مضمون آیت سے تھا اب اس کا مضمون شخصی بیان کیا جاتا ہے اس آیت میں جو حق تعالیٰ شانہ نے ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فرمایا ہے جس میں انہوں نے کلمہ ما استعمال فرمایا ہے جو ابہام کے ساتھ عموم کا فائدہ دیتا ہے پھر اس ابہام کی توضیح میں من رحمۃ فرمائی ہے۔

پس حاصل اس جملہ کا یہ ہوگا کہ حق سبحانہٗ جس رحمت کو بھی کھولدیں اس کا کوئی روکنے والا نہیں

اس سے حق سبحانہٗ کا کمال قدرت و غلبہ ظاہر ہوا اور معلوم ہوگیا کہ اس سے بڑھکر کوئی قوت اور قدرت والا نہیں جو اسکا مزاحم ہوسکے اور گو واقعی طور پر اسپر کوئی شبہ نہیں ہوسکتا مگر سطح نظر میں اور محض احتمال عقلی کے طور پر یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ اس سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ فتح حق سبحانہٗ کے بعد کوئی روکنے والا نہیں لیکن اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے روکنے کے بعد کوئی کھول بھی نہیں سکتا اس لئے حق سبحانہٗ نے اس احتمال کو بھی دفع کردیا اور فرماتا و ما یمسک فلا مرسل لہ یعنی جسکو وہ روک لیں اوسکو کوئی چھوڑنے والا بھی نہیں اب یہی ایک احتمال عقلی باقی تھا وہ یہ کہ اس سے یہ تو معلوم ہوا کہ اس کے فتح اور امساک کے بعد اس کی کوئی مزاحمت نہیں کرسکتا لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ خود فتح و امساک کی حالت میں بھی اس کا کوئی مزاحم ہوسکتا ہے یا نہیں اس احتمال کے اٹھانے کے لئے فرمایا وھو العزیز یعنی عزت و غلبہ عین منحصر ہے اس کی ذات میں۔ اور وہی ہر حیثیت سے سب پر غالب ہے اس پر کسیطرح بھی کوئی غالب نہیں اب تمام احتمالوں کا خاتمہ ہوگیا اور اس کا تفرد بالغلبہ باکمل وجہ ظاہر ہوگیا یہ تو ہوگیا مگر اس پر ایک شبہ اور ہوسکتا تھا وہ یہ کہ جب اس کو ایسی قدرت اور قوت حاصل ہے اور اس کی کوئی مزاحمت نہیں کرسکتا تو شاید اس کی بھی وہی حالت ہو جو با اقتدار انسانوں کی ہوتی ہے کہ بلا لحاظ مصلحت و منفعت جو جی میں آیا کر بیٹھے اس کے دفع کو لئے الحکیم بڑھادیا اور ظاہر کردیا کہ ہمارے افعال لاابالی حکام و سلاطین کے سے نہیں ہیں بلکہ ہم جو کچھ کرتے ہیں اس میں ہمکو مصلحت و حکمت ملحوظ ہوتی ہے سبحان الذی تکلم بھذا الکلام البلیغ الدقیق الاسرار

اس بیان سے معلوم ہوگیا کہ جملہ ما یمسک فلا مرسل لہ اور وھو العزیز الحکیم یہ دونوں جملہ تاکید ہیں مضمون ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لہ کی کہ جن سے مقصود تمام اوہام و شکوک کو زائل کرکے اپنی کمال قدرت و

وحکمت کا ظاہر کرنا ہے جو اصل مقصود ہے اس آیت کا یہ تو بیان تھا حق سبحانہٗ کے عموم وکمال قدرت کا جو کہ اس آیت سے مقصود ہے اب سنئے کہ رحمت کے لغوی معنی رقت قلب اور نرم دلی ہیں حق سبحانہٗ چونکہ دل اور نرمی سے جو کہ ایک خاص قسم کا تاثر اور انفعال ہے پاک اور منزہ ہیں اس لئے یہ لفظ اس مقام پر یا جہاں کہیں وہ حق سبحانہٗ کے لئے استعمال کیا جاوے جیسے رحمٰن رحیم وغیرہ اپنے معنی لغوی میں مستعمل نہیں ہو سکتا بلکہ مجازاً بعلاقہ سببیت اثر رقت قلب یعنی فضل وانعام واحسان مراد ہو گا اس مقام پر یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حق سبحانہٗ نے ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فرمایا اور من خیر نہیں فرمایا حالانکہ مطلب من خیر کا بھی وہی ہے جو من رحمۃ کا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رحمت میں اشارہ ہے اس طرف کہ حق سبحانہ کے تمام انعامات بلا استحقاق منعم علیھم ہیں اور یہ اشارہ لفظ خیر میں نہ تھا اس لئے اس کے بجائے اس کو اختیار کیا چونکہ اس مضمون کو سنکر کہ حق سبحانہ کے تمام احسانات بلا استحقاق منعم علیھم ہیں کسی کو خلجان ہوتا اس لئے میں اسکو بھی زائل کئے دیتا ہوں یہ شبہ اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ حق سبحانہ کے انعامات کو بندوں کے انعامات کی مماثل سمجھا گیا ہے اور اپنی طاعت کو طاعت عباد کی مانند خیال کیا گیا ہے لیکن خود یہ قیاس ہی غلط ہے کیونکہ آدمی جب کسی بندہ کی خدمت کرتا ہے تو وہ اپنے قویٰ اور اعضاء وغیرہ کو ایک ایسے شخص کے کام میں لگاتا ہے جو اس کے مملوک و مصنوع نہیں ہیں اور اس لئے اسکو ان سے انتفاع کا کوئی حق بھی نہیں ہے اس بنا پر خادم مخدوم سے معاوضہ کا مستحق ہوتا ہے بخلاف اس کے کہ جب وہ حق سبحانہٗ کی خدمت اور اطاعت کرتا ہے تو وہ خود حق سبحانہ کی مملوک چیزوں کو اس کے کام میں لگاتا ہے اور وہ خود بھی حق سبحانہٗ کا مملوک ہی ایسی صورت میں وہ اپنے خدمت کے کسی معاوضہ کا مستحق نہیں ہو سکتا کیونکہ مملوک من حیث ہو مملوک کا مالک پر کوئی حق نہیں یہ مضمون آپکی سمجھ میں یوں آسانی سے آجائیگا کہ جب کوئی شخص کسی کی ملازمت کرلیتا ہی تو اب وہ من حیث الخدمۃ اس کا مملوک ہو جاتا ہے خواہ عارضی ہی طور پر سہی پس جب وہ کوئی اپنا فرض منصبی انجام دیتا ہی تو اس کے

معاوضہ میں وہ کسی معاوضہ کا مستحق نہیں سمجھا جاتا ایسی حالت میں اگر آقا اس کے خدمت کا کوئی صلہ دے تو وہ اس کا انعام اور احسان سمجھا جاتا ہے اور اپنی خدمت کو اپنا فرض منصبی خیال کیا جاتا ہے پس جبکہ اس کمزور اور برائے نام ملک کا یہ اثر ہے تو آپ خیال کر سکتے ہیں کہ ملک حقیقی اور ملک تام کا کیا اثر ہونا چاہئے اور ایک مملوک محض اپنے مالک حقیقی پر اپنی خدمت کے کسی معاوضہ کا کیا حق رکھ سکتا ہے اب ہم کو یہ ثابت کرنا رہ گیا کہ بندہ حق سبحانہٗ کا مملوک محض ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ کسی شخص کی کوئی چیز کسیکی ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے کیونکہ وہ ابتداء میں معدوم محض اور اپنے تمام کمالات حتیٰ کہ اپنی ہستی سے بھی عاری تھا ایسے حالت میں اس کی کوئی چیز خود اس کی ذاتی کیسے ہو سکتی ہے پس لامحالہ اس کی تمام چیزیں کسی دوسرے کی مملوک ہیں۔ اور خدا کے سوا اگر کوئی اس کا مالک ہونے کا مستحق ہو سکتا ہے تو اس کے ماں باپ ہو سکتے ہیں کیونکہ ان سے زیادہ اس کے ہستی میں کسیکو دخل نہیں ہے حتیٰ کہ اسی دخل کی بناء پر بعض لوگوں کو شبہ ہو گیا اور وہ اپنا خالق اپنے ماں باپ کو سمجھ بیٹھے ہیں چنانچہ جس زمانہ میں مرے ماموں منشی شوکت علی صاحب مدرسہ سرکاری میں مدرس تھے اس زمانہ میں ایک انسپکٹر مدارس مدرسہ میں امتحان کے لئے آئے اثنائے امتحان میں انہوں نے لڑکوں سے اپنے منصب کے خلاف سوال کیا کہ بتلاؤ خدا کی ہستی کی کیا دلیل ہے لڑکے بیچارے کیا جواب دیتے وہ تو خاموش رہے ماموں صاحب نے فرمایا کہ جناب مجھ سے پوچھئے میں جواب دونگا انسپکٹر صاحب اپنی افسری کے گھمنڈ میں تھے انھوں نے ناخوشی کے لہجہ میں فرمایا کہ اچھا آپ ہی جواب دیجئے ماموں صاحب نے فرمایا کہ خدا کی ہستی کی دلیل یہ ہے کہ پہلے تم معدوم تھے اور اب موجود ہو اور ہر حادث کے لئے کوئی علت ہونی چاہئے وہ علت خدا ہے اسنے جواب دیا کہ ہم کو تو ہمارے ماں باپ نے پیدا کیا ہے نہ کہ خدا نے ماموں صاحب نے فرمایا کہ آپ کے ماں باپ کو کس نے پیدا کیا اسنے کہا کہ ان کے ماں باپ نے ماموں صاحب نے فرمایا کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو الی غیر النہایت یوں ہی سلسلہ چلا جاویگا

یا کہیں جاکر ختم ہوگا پہلی صورت میں تسلسل لازم آتا ہے جو کہ محال ہے دوسری صورت میں خدا کا وجود ماننا پڑیگا اس کا اس سے کچھ جواب نہ آیا اور اسنے کہا کہ آپ تو منطق کی باتیں کرتے ہیں لوگوں کا مذاق بگڑ گیا ہے کہ دقیق اور گہرے مضامین کو نا قابل التفات سمجھتے ہیں اور سطحی اور پیش پا افتادہ باتوں کو دلائل خیال کرتے ہیں غرض کہنے لگا کہ ہم ان منطقی باتوں کو نہیں جانتے ہم تو سیدھی بات جانتے ہیں وہ یہ کہ اچھا اگر خدا ہے تو آپ اپنے خدا سے کہئے کہ ہماری آنکھ درست کردے یہ انسپکٹر کا نا تھا ماموں صاحب نہایت ظریف تھے انہوں نے کہا کہ بہت بہتر ہے میں ابھی کہتا ہوں یہ کہکر انہوں نے آنکھیں بند کرکے آسمان کی طرف منہ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے انسپکٹر صاحب سے کہا کہ میں نے عرض کیا تھا مگر وہاں سے یہ جواب ملا ہے کہ ہم نے اسکو دو آنکھیں عطا کی تھیں اسنے ہماری نعمت کی ناشکری کی اور کہا کہ ہمارے ماں باپ نے ہمیں پیدا کیا ہے ہمیں اسپر غصہ آیا ہم نے اس کی ایک آنکھ پھوڑ دی اب اس سے کہو کہ تو اس آنکھ کو اپنے انہیں ماں باپ سے بنوا۔ جنہوں نے تجھے پیدا کیا ہے اس جواب پر اس کو بہت غصہ آیا اس کا اور تو کچھ بس نہ چلا مگر معائنہ خراب لکھ گیا اس گستاخی کا یہ نتیجہ ہوا کہ تھوڑی ہی عرصہ کے اندر درد اٹھا اور ہلاک ہوگیا یاد رکھو کہ حق سبحانہٗ کا قہر دو طرح کا ہوتا ہے کبھی تو صورۃً بھی قہر ہوتا ہے اور کبھی قہر بصورت لطف ہوتا ہے یہ قہر قہر اول سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے (اعاذنا اللہ منہ)

کیونکہ اس میں توبہ اور انابت الی الحق کی طرف توجہ بہت کم ہوتی ہے اس لئے کہ انابت الی الحق اور توبہ تو اس وقت ہو جب کہ آدمی اس کو قہر سمجھے اور جبکہ لطف سمجھتا ہی تو وہ توبہ کیسے کرے گا اور حق سبحانہٗ کی طرف کیسے رجوع ہوگا بعض مرتبہ بعض سالکین کو یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ وہ معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں. اور ان کے ذوق وشوق واحوال و مواجید میں کچھ فرق نہیں آتا وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری نسبت مع اللہ بہت قوی ہے کہ معصیت سے اسکو صدمہ نہیں پہونچتا

اس سے وہ معاصی پر اور بھی دلیر ہو جاتے ہیں واضح ہو کہ یہ قہر بصورت لطف ہے اور قہر بصورت قہر سے زیادہ خطرناک ہے سالکین کو اس سے نہایت ہوشیار رہنا چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ نسبت احوال و مواجید کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک خاص تعلق ہے جو کہ عبد طائع کو حق سبحانہٗ سے اور حق سبحانہٗ کو اپنے مطیع بندہ سے ہوتا ہی رہے احوال و مواجید سو یہ غالب احوال ہیں اس تعلق کی امارات ہوتی ہیں نہ وہ عین تعلق خاص ہیں اور نہ اس تعلق کو مستلزم ہیں اور اگر بالفرض احوال واذواق ہی کو تعلق مع اللہ یا اس کو مستلزم کہا جاوے تو اس سے صرف یہ لازم آئیگا کہ اس کو خدا کے ساتھ تعلق ہے اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ خدا کو بھی اس سے تعلق ہو پس ایسے سالک کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کسی طالب علم سے کسی نے پوچھا تھا کہ تمہاری شادی ہو گئی یا نہیں اس نے جواب دیا کہ آدھی ہو گئی اور آدھی نہیں ہوئی اس نے کہا کہ اس کا کیا مطلب ہے اس نے جواب دیا کہ میں فلاں شاہزادی سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لئے تراضی طرفین کی ضرورت ہے سو میں تو رضامند ہوں مگر وہ رضامند نہیں پس جس طرح اس طالب علم کی رضامندی بغیر شاہزادی کی رضامندی کے بے سود اور کالعدم تھی یونہی اس سالک کا تعلق بغیر حق سبحانہٗ کے تعلق کے بیکار ہے۔

پس خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اصرار بر معصیت کے ساتھ نسبت مع اللہ ہرگز باقی نہیں رہ سکتی ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میں ایک مقام پر مہمان گیا میرے ساتھ ایک اور صاحب بھی تھے۔ ہم نے ایک مسجد میں سونے کا ارادہ کیا اتفاق سے اس روز محلہ میں گانا بجانا بھی ہو رہا تھا مجھکو آواز پہونچی تو میں نے سونے کے لئے دوسری جگہ تجویز کی مگر میرے ساتھی مسجد ہی میں رہے صبح کو ان صاحب نے مجھ سے کہا کہ رات جس قدر میرا نوافل میں جی لگا ہے اور جس قدر مجھے مزہ آیا ہے اتنا کبھی نہیں آیا محلہ سے گانے بجانے کی آوازیں آ رہی تھیں جس سے ذوق و شوق کو حرکت ہو رہی تھی اور میں اسی ذوق و شوق میں نماز پڑھ رہا تھا اور مجھپر ذوق و

شوق کا ایسا غلبہ تھا کہ خطرات بالکل دفع ہو گئے تھے میں نے کہا کہ جناب یہ تو صحیح ہے کہ خطرات بالکل دفع ہو گئے تھے مگر یہ بھی تو دیکھئے کہ وہ کس چیز سے دفع ہوئے تھے اور وہ مستی ذوق و شوق کس چیز کا تھا یہ مستی روحانی نہ تھی بلکہ شہوانی تھی جو راگ باجے سے منبعث ہوئی تھی پس دافع خطرات خود خطرات سے زیادہ خطرناک تھا ایسی حالت میں یہ اندفاع خطرات کیا قابل قدر ہو سکتا ہے اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کسی کے بچھو کاٹ لے اور وہ رفع تکلیف کے لئے سانپ سے کٹوا لے ایسا کرنے سے وہ تکلیف تو ضرور جاتی رہے گی مگر جان کے لالے پڑ جائیں گے۔

پس یہ کہنا کہ گانے سے خطرات دفع ہو گئے تھے عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے اسی مثل پر ایک حکایت یاد آئی وہ ہے تو غیر مہذب مگر موضح خوب ہے وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ملا دوپیازہ سے بادشاہ نے پوچھا کہ عذر گناہ بدتر از گناہ کے کیا معنی ہیں انہوں نے اس وقت اس کا جواب نہیں دیا اور موقع کے منتظر رہے ایک روز بادشاہ آگے آگے جا رہے تھے پیچھے سے ملا نے ان کی پشت میں انگلی سے اشارہ کر دیا اس نے منہ موڑ کر دیکھا اور تیز لہجہ میں کہا یہ کیا نالائق حرکت ملّا نے جواب دیا کہ قصور معاف ہو میں سمجھا کہ بیگم صاحبہ ہیں اس پر وہ اور بھی برافروختہ ہوا تب ملا نے کہا کہ یہ معنی ہیں عذر گناہ بدتر از گناہ کے اس طرح ان صاحب کا یہ عذر کہ مجھکو خطرات بند ہو گئے اسی مثل کا مصداق ہے خلاصہ یہ ہے کہ اصرار بر معصیت کے ساتھ نسبت مع اللہ باقی نہیں رہ سکتی اور ذوق و شوق کسی معصیت سے پیدا ہو یا معاصی کی حالت میں باقی رہے وہ قہر بصورت لطف ہوتا ہے جو قہر بصورت قہر سے زیادہ خطرناک ہے خوب سمجھ لینا چاہئے اور کبھی یہ قہر بصورت قہر ہوتا ہے جیسے اس منکر توحید کو پیش آیا ہاں تو ہم نے یہ کہا تھا کہ اگر خدا کے سوا کسی پر مالک ہونے کا شبہ ہوتا ہے تو ماں باپ پر ہو سکتا ہے جیسے اس منکر نے اپنی بکواس میں کہا تھا لیکن ماں باپ بھی مالک نہیں ہو سکتے کیونکہ گو ان کو اس کی ہستی میں گونہ دخل ضرور ہے مگر وہ اس کے خالق نہیں ہو سکتے اس لئے

کہ یہ امر مشاہد ہے کہ اس کے وجود میں ان کے اختیار کو کچھ دخل نہیں چنانچہ بہت لوگ عمر بھر اولاد کے متمنی رہتے ہیں اور اولاد نہیں ہوتی اور بہت سے لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے اولاد نہ ہو مگر ہوتی ہے پس معلوم ہوا کہ ماں باپ کو بچے کی ہستی میں محض برائے نام دخل ہے اور موثر حقیقی اور مفیض وجود فقط حق سبحانہ ہیں پس وہ ہی اس کی تمام چیزوں کے مالک ہوں گے اور جب وہ مالک ہیں تو بندہ کو اپنی خدمت کے کسی معاوضہ کا کچھ استحقاق نہیں ہے جیسا کہ ہم پیشتر اس کی تفصیل کر چکے اور جب کہ اس کا کوئی استحقاق نہیں ہے تو حق سبحانہ کے انعامات اس کا فضل محض ہوں گے اسی لئے بجائے من خیر کے من رحمۃ فرمایا ہے یہاں تک یہ معلوم ہو گیا کہ رحمت سے مراد انعام خداوندی اور اس کا فضل و احسان ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لفظ رحمت کو لفظ خیر پر کیوں ترجیح دی گئی اب ہم رحمت و فضل و احسان و انعام وارد فی الآیۃ کی شرح کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہاں رحمت عام ہے صحت۔ امن۔ علم۔ عمل غرض کہ ہر مفید چیز کو خواہ چھوٹی ہو یا بڑی حتیٰ کہ روح المعانی نے عروہ بن الزبیر سے نقل کیا ہے کہ شغدف بھی رحمت ہے کیونکہ اس سے سفر میں راحت پہونچتی ہے مگر لوگ معمولی چیزوں کو نعمت نہیں سمجھتے بلکہ صرف بڑی چیزوں کو نعمت سمجھتے ہیں جو کہ بڑی مشقتوں کے بعد ملتی ہیں اسی لئے وہ چھوٹی نعمتوں پر شکر ہی نہیں کرتے یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے میں جس زمانہ میں تفسیر لکھ رہا تھا اسی زمانہ میں شاید سہارنپور ریلوے طیار ہو رہی تھی حسن اتفاق سے جس روز میں اس آیت کی تفسیر لکھ رہا تھا اسی روز ہماری عیدگاہ کے سامنے پٹری بچھائی جا رہی تھی اس وقت مجھے عروہ کا قول دیکھ کر خیال ہوا کہ ریل بھی خدا کی نعمت ہے اور وہ بھی رحمت میں داخل ہے۔

پس میں نے اس مقام پر اس واقعہ کا بھی تذکرہ حاشیہ میں کر دیا اور ریل کے تھانہ بھون پہونچنے کی تاریخ بھی لکھ دی تاکہ بیک کرشمہ دو کار ہو جاوے۔

آیت کی تفسیر بھی ہوجاوے اور تاریخ بھی منضبط ہوجاوے اب اگر کوئی مجھ سے پوچھتا ہے کہ ریل تھانہ بھون میں کب جاری ہوئی ہے تو میں کہتا ہوں کہ میری تفسیر دیکھ لو وہ متحیر ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس واقعہ کو تفسیر سے کیا مناسبت ہے تو میں ان سے واقعہ بیان کردیتا ہوں میں ریل کے نعمت ہونے کی ایک سند ایک بڑے شخص سے بھی رکھتا ہوں جب میری عمر ۱۴ برس کی ہوگی اس زمانہ میں مولانا شیخ محمد صاحب کے وعظ میں حاضر ہوتا تھا ایک وعظ میں آپ نے فرمایا کہ ریل بھی خدا کی نعمت ہے گو دوسروں کی بنائی ہوئی ہے کیونکہ نعمت بعض اوقات کفار کے ہاتھ سے بھی پہونچتی ہے شاید کسیکو سُنکر استعجاب ہو اسلئے میں کہتا ہوں کہ حدیث شریف میں آیا ہے ان اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر پس جب کہ کافر کے ہاتھ سے دین کی تائید واقع ہے تو کفار کے ہاتھ سے دینوی نعمت کا پہونچنا کیوں مستبعد ہے اس مقام پر ایک حکایت یاد آگئی ایک شیعی نے ایک عالم سے کہا کہ آپ لوگ حضرت عمر کی اشاعت اسلام پر فخر کرتے ہیں اور اسکو ان کی کامل مسلمان ہونے کی دلیل بتاتے ہیں حالانکہ اس سے ان کا اسلام بھی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان اللہ لیوید ھذا الدین بالرجل الفاجر اس کے جواب میں انہوں فرمایا کہ اس سے اتنا تو ثابت ہوا کہ جس دین کی وہ مدد کرے گا وہ دین اسلام اور دین حق ہوگا اب اگر تم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا مصداق بناتے ہو تو اس سے اتنا تو لازم آیا کہ انہوں نے دین الٰہی میں مدد کی ہے اب یہ دیکھ لو کہ جس دین کی انہوں نے مدد کی ہے وہ شیعوں کا دین ہے یا سنیوں کا تم ضرور یہی کہوگے کہ سنیوں کا پس سنیوں کے مذہب کا حق ہونا ثابت ہوگیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دین بھی یہی تھا لہٰذا ان کا مسلمان اور کامل الایمان ہونا بھی ثابت ہوگیا یہ سنکر وہ شیعی صاحب مبہوت ہوگئے خیر تو ہم نے کہا تھا کہ ریل بھی رحمت میں داخل ہے اب ہم کہتے ہیں۔

کہ اس بنا پر اگر یوں کہا جاوے کہ منجملہ اور نعمتوں کے ریل کا ذکر بھی قرآن میں ہے تو ایک حد تک صحیح ہے اور یہ امر کوئی قابل اعتراض نہیں ہے اجمالی ذکر کا انکار محض بلا وجہ ہے اس کا اجمالی ذکر صرف اسی آیت میں نہیں ہے بلکہ دوسرے علماء نے اور آیات میں بھی اس کو داخل کیا ہے مثلاً حق سبحانہٗ مراکب کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں ویخلق مالا تعلمون اس آیت کے عموم میں ریل بھی داخل ہے کیونکہ اوپر سے سواری اور بار برداری کے جانوروں کا تذکرہ آ رہا ہے چنانچہ فرمایا ہے ولکم فیھا جمال حین تریحون وحین تسرحون وتحمل اثقالکم الی بلد لم تکونوا بالغیہ الا بشق الانفس ان ربکم لرؤف الرحیم والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ ویخلق مالا تعلمون۔

پس گویا کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ایجاد ریل کی خوشخبری بھی سنا دی اور حاصل یہ ہوا کہ مذکورہ بالا سواری اور بار برداری کے جانور تو ہم نے تمہارے لئے پیدا کئے ہی ہیں ان کے علاوہ ہم ایک اور بار برداری اور سواری کی چیز (ریل) پیدا کریں گے جس کا اب تم کو علم بھی نہیں ہے اس سے کسیقدر زیادہ واضح طور پر اسکو ایک مقام پر ذکر فرمایا ہے چنانچہ فرمایا ہے

وآیۃ لھم انا حملنا ذریتھم فی الفلک المشحون وخلقنا لھم من مثلہ مایرکبون کیونکہ ریل بہ نسبت چوپاؤں کے کشتی سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے (ولکن لا ینا سب ھذا المحمل قولہ تعالیٰ وخلقنا الا ان یؤول والتاویل بعید فلیتامل) خیر تو جبکہ ریل اور شغدف وغیرہ نعمائے دنیو یہ بھی رحمت میں داخل ہیں تو نعمائے اخرویہ مثل علم وغیرہ بالاولے اس رحمت میں داخل ہوں گے خصوص علم کا عموم رحمت میں داخل ہونا ایک دوسری آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ حضرت خضر علیہ السلام پر اپنے انعام واحسان کا ذکر کرتی ہوئے فرماتے ہیں۔

فوجدا عبدا من عبادنا آتیناہ رحمۃ من عندنا علمناہ من لدنا علما

اس سے علم کا ایک رحمت کبریٰ اور موہبت عظمیٰ ہونا ظاہر ہے۔
پس حاصل کلام یہ ہے کہ لفظ رحمت ہر مفید چیز کو شامل ہے خواہ دنیوی ہو یا دینی اور چھوٹی ہو یا بڑی اسی بنا پر حق سبحانہ نے بعض جگہ اپنے کلام میں نبوت کو کہ اکمل فرد ہے علم کی رحمت سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ فرمایا ہے۔
اھم یقسمون رحمۃ ربک نحن قسمنا بینھم معیشتھم۔ تفصیل اس مضمون کی یہ ہے کہ جب جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو علاوہ اور اعتراضوں کے کفار نے کہا تھا کہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی بڑی شخص پر کیوں نہ نازل کیا گیا اور اس کو کیوں نہ نبی بنایا گیا حق سبحانہٗ ان کے اس قول کو نقل فرما کر اس کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خدا کی رحمت یعنی نبوت کو کیا یہ لوگ اپنی تجویز سے تقسیم کرتے ہیں حالانکہ ان کو یہ حق نہیں ہے کیونکہ سامان معیشت سی ادنیٰ چیز کو تو ہم تقسیم کرتے ہیں اور اس کے تقسیم کا ان کو اختیار نہیں دیا ہے نبوت سی عظیم الشان شے کو یہ خود کیونکر تقسیم کریں گے اور ان کو اس کے تقسیم کا کیا حق ہو گا جب یہ معلوم ہو گیا کہ رحمت کا اطلاق نبوت پر بھی ہوا ہے تو اس سے ایک دوسری آیت کی تفسیر بھی ہو گئی اور ایک بڑا معرکۃ الآراء مقام حل ہو گیا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حق سبحانہ نے فرمایا ہے۔
قل لو انتم تملکون خزائن رحمۃ ربی اذا لامسکتم خشیۃ الانفاق وکان الانسان قتورا اس پر شبہ یہ ہوتا ہے کہ اس آیت سے پہلے بھی رسالت کا ذکر ہے اور بعد کو بھی یہ بیچ میں انسان کے بخل کا ذکر کیسے آ گیا مفسرین نے اس کے متعلق کوئی تسکین بخش بات نہیں لکھی امام رازی نے گو اس کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے مگر انہوں نے بھی کوئی شافی بات نہیں لکھی لیکن جب کہ رحمت سے نبوت مراد لے لی جاوے اس وقت آیت مذکورہ بے تکلّف اپنے ماقبل و مابعد سے مرتبط ہو جاویگی اس بیان سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مفسر کے لئے علاوہ دیگر شرائط کے حافظ ہونا بھی بہت معین ہے کیونکہ القرآن بعضہ یفسر بعضاً مسلّم ہے۔

پس حافظ کی نظر چونکہ پورے قرآن پر ہوتی ہے اس لئے جس قدر آسانی اور صحت کے ساتھ مقصود آیت کی توضیح وہ کر سکتا ہے اس قدر آسانی اور صحت کے ساتھ غیر حافظ نہیں کر سکتا کیونکہ وہ تفسیر کے وقت ایک مضمون کی تمام آیتوں کو ذہن میں ..... مستحضر کرے گا اس کے بعد تفسیر کرے گا برخلاف غیر حافظ کے کہ اس کی نظر صرف ایک ہی آیت تک محدود ہوگی اور وہ جو کچھ سمجھے گا اسی ایک آیت سے سمجھے گا البتہ غیر حافظ مولویوں کے لئے تفسیر ابن کثیر زیادہ مفید ہے کیونکہ وہ جس آیت کی تفسیر کرتے ہیں اس مضمون کی تمام آیتوں کو ایک جگہ جمع کرتے ہیں اس کے بعد تفسیر کرتے ہیں لیکن جس قدر تفسیر ابن کثیر سے غیر حافظ مولویوں کے لئے آسانی ہوتی ہے اسیقدر بخاری کی کتاب التفسیر سے ان کو پریشانی بھی ہوتی ہے کیونکہ اُنہوں نے اس کا اہتمام نہیں کیا ہے کہ جس سورت یا آیت کی تفسیر کے لئے اُنہوں نے باب منعقد کیا ہے بعنوان صریح اس کی تفسیر کریں بلکہ وہ ایسا بھی کرتے ہیں کہ ایک سورۃ کے ذیل میں بلا تصریح دوسری سورۃ کے کسی لفظ کی تفسیر کر جاتے ہیں طالب علم اس لفظ کو اس سورۃ میں تلاش کرتے ہیں جب وہ نہیں ملتا تو پریشان ہوتا ہے لیکن اگر وہ حافظ ہو تو اس کو یہ پریشانی نہیں ہو سکتی میں اسکو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں سنو امام بخاری نے باب منعقد کیا ہے **باب ماجاء فی فاتحۃ الکتاب** اور اس باب میں لکھا ہے الدین الجزاء فی الخیر والشر کما تدین تدان قال مجاھد بالدین بالحساب مدینین محاسبین پس جب طالب علم قال مجاھد بالدین بالحساب پر پہونچتا ہے تو وہ سوچتا ہے کہ بالدین سورہ فاتحہ میں کہاں ہے لیکن اگر وہ حافظ ہو تو اس کا ذہن فوراً ارایت الذی یکذب بالدین کی طرف منتقل ہو جائے گا اور سمجھ لے گا یہ لفظ فلاں سورت میں واقع ہوا ہے اور وہاں اس کی تفسیر منقول ہے اس تفسیر سے مالک یوم الدین کی تفسیر کی ہے علیٰ ھذا جب وہ مدینین محاسبین پر پہونچے گا اور مدینین

کو سورۂ فاتحہ میں نہ پائے گا تو متحیر ہوگا لیکن حافظ کا ذہن فوراً لولا ان کنتم غیر مدینین الخ کی طرف جو کہ سورۂ واقعہ میں ہے منتقل ہوگا اور وہ سمجھ لے گا کہ یہ تفسیر دوسری سورۃ سے متعلق ہے اس سے آپکی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ مولویوں اور طالب علموں کے لئے حفظ قرآن کی نہایت شدید ضرورت ہے۔ اسی واسطے حضرت **مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ** سے جب کوئی شخص عربی پڑھنے کا ارادہ ظاہر کرتا تو آپ فرماتے تھے کہ تبلاؤ کہ تم حافظ بھی ہو یا نہیں اس کے جواب میں اگر وہ یہ کہتا کہ جی ہاں میں حافظ ہوں تو آپ فرماتے تھے کہ میں تمہارے مولوی ہونیکا ذمہ کرتا ہوں اور اگر کہتا کہ حافظ تو نہیں ہوں تو فرماتے کہ اچھا کوشش کرو میں بھی دعا کروں گا اور تم بھی دعا کرنا چونکہ اوپر رحمت کی تفسیر میں نبوت و مطلق علم کا فرد رحمت ہونا مذکور تھا جس سے علم کا نبوت کی ساتھ ملابس ہونا معلوم ہوتا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق ایک کام کی بات تبلادی جاوے نبوت ایک منصب خاص ہے جو حق سبحانہ کی طرف سے اس کے خاص بندوں کو بالتخصیص عطا ہوتا ہے بعض چیزیں اس کے لوازم یا مناسبات میں سے ہوتی ہیں جو حقیقۃً نہ عین نبوت ہوتی ہیں نہ جزو نبوت مثلاً علم یا رویائے حقہ وغیرہ بعض لوگوں کو دھوکا ہو جاتا ہے اور وہ نبوت کو قابل انقسام سمجھکر اور اس کے حصے اور اجزاء متعین کر کے اپنے کو جزوی نبی کہنے لگتا ہے یہ ایک سخت مغالطہ ہے اس سے آگاہ رہنا چاہئے اور حدیث میں جو آیا ہے کہ رویائے صالحہ نبوت کا چالیسواں جزو ہے وہ محمول بر حقیقت نہیں ہے بلکہ شدت ملابست کی وجہ سے اس کو جزو کہدیا گیا ہے اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ نبوت قابل انقسام ہے تب بھی ایسے شخص کو دعوت نبوت کا حق نہیں ہے کیونکہ بعض چیزیں تو ایسی ہوتی ہیں جن کے اجزاء نام میں اپنے کل کے شریک ہوتے ہیں ہوا پانی اور بعض ایسی ہوتی ہیں جن کے اجزاء نام میں اپنے کل کی شریک نہیں ہوتی مثلاً اینٹ اور گھر تو رویائے صالحہ وغیرہ کے اجزاء نبوت ہونے سے

یہ کیسے ثابت ہوا کہ جس میں کوئی جزو نبوت پایا جاوے وہ نبی کہلا سکتا ہے یہ تفصیل بھی اس آیت کے متعلق جس کو شکر کے لئے اس جلسہ میں تلاوت کیا گیا تھا اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود مثنوی کے متعلق بھی کہ علم نافع کا ایک مادہ تحقیق ہے اور اس کی شرح اور اس کی شروح اور شارحین کے وشرکا جلسہ کے متعلق بھی کچھ بیان کر دیا جاوے مثنوی ایک ایسی کتاب ہے جو مضامین حقہ سے لبریز ہے مولوی جامی نے اس کی نسبت فرمایا ہے ؎

مثنوی مولوی معنوی ؎ ہست قرآن در زبان پہلوی

اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ اس میں اسرار و دقائق قرآنیہ کو بیان فرمایا ہے یہ معنی ایسے ہیں جن سے عوام کو وحشت نہیں ہو سکتی اور دوسرے معنی وہ جن میں عوام کے توحش کا خطرہ ہے اور وہ وہ ہیں جو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے غلبہ حال میں بیان فرمائے ہیں یعنی مثنوی حق سبحانہٗ کا الہامی کلام ہے اور اس مقام پر قرآن سے کلام معروف حق سبحانہ مراد نہیں ہے بلکہ مطلق کلام حق مراد ہے گو بالوحی نہ ہو بالالہام ہو حق سبحانہٗ کا کلام فی نفسہ تو حرف و صوت سے پاک ہے مگر جس طرح وہ لباس عربیت میں جلوہ گر ہوا ہے یوں ہی لباس فارسی میں بھی جلوہ گر ہو سکتا ہے اس سے کسیکو یہ شبہ ہو کہ جب یہ کلام حق ہے تو اس کے لئے بھی وہی احکام ثابت ہوں گے جو قرآن کے ہیں کیونکہ قرآن کا کلام الٰہی ہونا قطعی ہے اور مثنوی کا کلام الٰہی ہونا قطعی نہیں ہے اس لئے دونوں کا حکم ایک نہیں ہو سکتا قرآن اپنے مرتبہ میں رہیگا اور مثنوی اپنے مرتبہ میں بلکہ دوسری کتب سماویہ خود کلام قطعی بھی ہیں ان کے لئے بھی کسی حکم کا ہونا محتاج دلیل مستقل ہوگا خیر یہ وہ معنی ہیں جو حضرت حاجی صاحب نے غلبہ حال میں بیان فرمائی ہیں اور یہاں کسیکو یہ شبہ نہ ہو کہ اہل کمال مغلوب الحال نہیں ہوتے پھر حاجی صاحب کیسے مغلوب ہوئے کیونکہ خود یہ قاعدہ ہی صحیح نہیں کہ اہل کمال مغلوب الحال نہیں ہوتے ضرور ہوتے ہیں مگر ان میں اور غیر اہل کمال میں فرق یہ ہوتا ہے کہ جن

احوال سے غیر اہل کمال مغلوب ہو جاتے ہیں اہل کمال ان سے مغلوب نہیں ہوتے بلکہ ان کے مغلوب کرنے والے احوال دوسروں کے احوال سے اقوی ہوتے ہیں دوسرا فرق یہ ہے کہ اہل کمال کی مغلوبیت کم ہوتی ہے اور غیر اہل کمال کی زیادہ مگر ان کی نفس مغلوبیت کا انکار مشکل ہے انبیا سے زیادہ کون صاحب کمال ہو سکتا ہے لیکن جب ان کے حالات میں غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تاثر من الحال وہاں بھی ہے چنانچہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں ان الفاظ سے دعا فرمائی تھی۔ اللّٰھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لم تعبد بعد الیوم۔

اب آپ خیال کر لیجئے کہ اگر غلبہ حال نہ ہوتا تو کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عنوان سے دعا فرماتے جس میں ایہام ہے حق سبحانہ کی احتیاج الی العبادات کا گو آپ کا مقصود یہ نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اے اللہ آپ نے انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے گو آپ کو ان کی احتیاج نہیں ہے اور نہ آپ کا کچھ نفع ہے پس اگر تیرے بندوں کی یہ قلیل جماعت ہلاک ہو گئی تو میری خیال میں پھر حق کی اشاعت نہ ہو سکے گی اور انسانوں کی پیدایش سے جو مقصود ہے وہ فوت ہو جاویگا اس لئے آپ اس جماعت کو بچا لیجیے علی ھذا موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ رب لو شئت اھلکتھم من قبل وایای اتھلکنا بما فعل السفھاء منا ان ھی الا فتنتک تضل بھا من تشاء وتھدی من تشاء

یہ اگر غلبہ حال نہ تھا تو کیا تھا یہ واقعات محض تائید کے درجہ میں ہیں اگر ان کو کوئی نہ مانے تو اسکو خود غیر انبیا اہل کمال کا اعتراف تو ماننا ہی پڑے گا حضرت مولانا مثنوی معنوی میں جگہ جگہ اپنی مغلوبیت کا اظہار فرماتے ہیں ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

چوں بگویم تا سرش پنہاں کنم	سر برآرد چوں علم کا ینک منم
رغم انفم گیرد م تا کہ دو گوش	کای مدمغ چوں ہمی پوشی بپوش

دوسری جگہ کہتے ہیں ؎

اے بروں از وہم قال وقیل من خاک بر فرق من و تمثیل من

بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت ہر زماں گوید کہ جانم مفرشت

علی ہذا اور بہت سے مقامات پر مولانا نے خود اعتراف فرمایا ہے اس تقریر سے من عرف کل لسانہ کے معنی بھی ظاہر ہو گئے اور معلوم ہو گیا کہ اس کلل میں کلال سے کلال اضافی مراد ہے نہ کہ عدم افشاء مطلقا اس مقام پر یہ بھی جان لینا چاہئے کہ یہ مقولہ دو طرح سے منقول ہے اول یوں کہ من عرف کل لسانہٗ اور دوسرے یوں کہ من عرف طال لسانہ ان دونوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں تعارض نہیں کیونکہ من عرف طال لسانہ ابتدائی حالت پر محمول ہے اور من عرف کل لسانہٗ انتہائی حالت یعنی عارف ابتداء میں ضبط اسرار پر قادر نہیں ہوتا اس لئے اس وقت اس کی زبان کشادہ ہوتی ہے لیکن جب وہ پختہ ہو جاتا ہے اس وقت اسکی زبان گونگی ہو جاتی ہے مگر مطلقاً نہیں بلکہ غالب اوقات میں، ہاں تو مثنوی مضامین حقہ سے لبریز ہے مگر وہ عوام کے کام کی نہیں ہے کیونکہ اس کے مضامین دقیق ہیں اور مولانا کا کلام ذو وجوہ ہے ہر خیال کا آدمی اس کے مضامین کو اپنے خیالات پر منطبق کر سکتا ہے اس لئے اس میں یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا کی شان ہے اسلئے مولانا فرماتے ہیں ؎

نکتہا چوں تیغ پولاد ست تیز چوں نداری تو سپر واپس گریز

پیش این الماس بے اسپر میا کز بریدن تیغ را نبود حیا

مثنوی میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس کے مضامین حافظہ میں ضبط نہیں ہو سکتے حالانکہ میں اس کی شرح بھی لکھ چکا ہوں اور متعدد بار پڑھنے پڑھانے کا بھی اتفاق ہوا ہے لیکن جب اٹھا کر دیکھتا ہوں تو ہر مرتبہ وہ مجھے نئی معلوم ہوتی ہے اور جن اشعار کے جو مضامین میں نے پہلے سمجھے تھے وہ یاد نہیں آتے بلکہ نئے مضامین یاد آتے ہیں کبھی کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا اور خود اپنی شرح کو دیکھنا پڑتا ہے یہی حالت قرآن شریف کی ہے کہ جب دیکھئے نیا معلوم ہوتا ہے اور اس کے

مطالب سمجھنے کے لئے بھی مجھے اپنی تفسیر دیکھنی پڑجاتی ہے مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن شریف۔ مثنوی شریف بخاری شریف یہ تینوں کتابیں البیلی ہیں یعنی ان تین کتابوں کا کوئی ضابطہ نہیں ہے جس کا احاطہ ہوسکے مثنوی اور قرآن کے اس تشابہ طرز بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ مثنوی الہامی کلام حق ہے مثنوی میں ایک خاص بات یہ ہے کہ دقت و علو صولت وشوکت معانی کی طرح اس میں شوکت وصولت الفاظ بھی ہے جو اور کتابوں میں نہیں دیکھے جاتے اور اس کا فیصلہ ذوق صحیح کرسکتا ہے کیونکہ یہ ایک ذوقی بات ہے نہ کہ استدلالی دیکھو ایک بلغاء عرب تھے جنپر قرآن کریم کی بلاغت نے وہ اثر کیا ہے کہ باوجود کمال مخالفت وعناد وحق پوشی کے انکو جرات نہ ہوسکی کہ وہ جھوٹوں بھی کوئی کلام بنا کر اس کے مقابلہ میں لے آئیں اور کہدیں کہ یہ اسکی ہم پلہ ہے اور ایک آج کل کے حمقاء ہیں جو مقامات حریری کو بلکہ خود اپنے کلام کو قرآن کے برابر بتاتے ہیں یہ تفاوت کیوں ہے محض اس لئے کہ بلغاء عرب کا ذوق صحیح تھا اور ان کا ذوق فاسد ہے ان کا ذوق صحیح ان کو اعتراف اعجاز پر مجبور کرتا تھا اور ان کا فساد مذاق اس بیہودہ دعوے پر جرات دلاتا ہے اور دیکھو بلغاء تصریح کرتے ہیں کہ قرآن میں ابلغ الآیات یہ آیت ہے قیل یا ارض ابلعی ماءک ویاسماء اقلعی وغیض الماء وقضی الامر واستوت علی الجودی وقیل بعدا للقوم الظالمین۔

مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری کے نسبت سُنا گیا ہے کہ جب وہ اس آیت کو پڑھتے تھے تو ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی حالانکہ ہم لوگوں کو کچھ بھی لطف نہیں آتا یہ فرق کیوں ہے صحت وفساد مذاق کے سبب مجھے جس قدر لطف ایک مرتبہ اس آیت میں آیا ہے فلذلک فادع واستقم کما امرت ولا تتبع اھواءھم وقل اٰمنت بما انزل اللہ من کتب وامرت لاعدل بینکم اللہ ربنا وربکم لنا اعمالنا ولکم اعمالکم لا حجۃ بیننا وبینکم اللہ یجمع بیننا والیہ المصیر۔

اتنا عمر بھر میں کسی آیت میں نہیں آیا لیکن اگر پوچھئے کہ کیوں تو میں اس کی وجہ نہیں بیان کر سکتا اس لئے کہ یہ ذوقی امر ہے اور امر ذوقی بیان میں نہیں آسکتا چنانچہ اگر کوئی کسی پر عاشق ہو اور اس سے پوچھا جاوے کہ تو اس پر کیوں عاشق ہے تو وہ اس کی پوری اور مفصل وجہ نہیں بیان کرتا وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس میں فلاں خوبی ہے مثلاً اس کی آنکھ اچھی ہے یا بال اچھے ہیں وغیرہ مگر جب اس سے پوچھا جاوے کہ اس میں کیا اچھائی ہے اور وہ کیوں اچھی ہے تو وہ اس کی وجہ بیان کرنی سے عاجز ہے اس سے معلوم ہوا کہ حسن معنوی کی طرح حسن صوری بھی درحقیقت ذوقی ہی ہے نہ کہ مدرک بالبصر ہاں حُسن صوری کے معلوم کرنے کے لئے حسن ظاہر شرط بیشک ہے مگر شرط ہونا اور چیز ہے اور مدرک ہونا اور شئے اس بیان سے معلوم ہوا کہ حسن دو قسم کا ہے حسن صوری اور حسن معنوی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مدرک دونوں کے لئے ذوق ہے فرق اتنا ہی کہ حسن معنوی کے ادراک کے لئے حُسن ظاہر شرط نہیں ہے اور حُسن ظاہر کے ادراک کے لئے شرط ہی اور اسی سے اس کا راز بھی معلوم ہو گیا کہ اندھے کسی پر کیوں عاشق ہو جاتے ہیں اسلئے کہ اس سے معلوم ہوا ہی کہ ادراک حسن کا مدار آنکھ پر نہیں ہے بلکہ بعض خوبیاں بدون آنکھ کے بھی معلوم ہو سکتی ہیں پس اندھے ان خوبیوں کی بناپر عاشق ہوتے ہیں جو بلا توسط آنکھ کے مدرک ہو سکتی ہیں جیسے آواز ہے یا کوئی عادت و خصلت ہے وغیرہ وغیرہ اندھوں کے عاشق ہونے پر ایک اندھے کا قصہ یاد آگیا لڑکوں کو پڑھاتا تھا ایک لڑکے کی ماں خوشامد میں اس اندھے معلم کے پاس اپنی بچہ کے ہاتھ کبھی کبھی کھانا وغیرہ بھیج دیا کرتی تھی کبھی سلام کہلا بھیجتی اندھے نے سمجھا کہ عورت مجھ سے محبت کرتی ہے اسلئے اسکو بھی اس سے محبت ہو گئی۔

ایک روز اس نے اس لڑکے کے ہاتھ اسکی ماں کے پاس اظہار عشق کے ساتھ درخواست ملاقات کا پیام کہلا بھیجا عورت پارسا تھی اسے ناگوار ہوا اسنے اپنے خاوند سے تذکرہ کیا ان دونوں میں یہ طے ہو گیا کہ اندھے کو اس کا مزہ

چکھنا چاہئے اور اس کی صورت بھی تجویز کرلی گئی اس کے بعد اس عورت نے حافظ جی کو لڑکے کے ہاتھ بلوا بھیجا حافظ جی وقت معہود پر پہونچ گئے .... اتنے میں باہر سے آواز آئی کواڑ کھولو حافظ جی یہ سنکر گھبرائے عورت نے کہا کہ گھبراؤ نہیں میں ابھی انتظام کئے دیتی ہوں تم یہ ڈوپٹہ اوڑھکر چکی پیسنے لگو حافظ جی نے ایسا ہی کیا اس نے جاکر کواڑ کھولدئے خاوند اندر آیا ملی بھگت تو تھی ہی۔ پوچھا یہ کون عورت ہے کہا ہماری لونڈی ہے آٹے کی ضرورت تھی اس لئے بیوقت چکی پیس رہی ہے وہ خاموش ہو رہا حافظ جی نے کیوں چکی پیسی تھی آخر تھک گئے اور ہاتھ سست چلنے لگا یہ دیکھکر خاوند اُٹھا کہا مردار سوتی ہے پیستی کیوں نہیں یہ کہکر چند جوتے رسید کئے اور آکر اپنی جگہ لیٹ رہا حافظ جی نے قہر درویش بر جان درویش پھر پیسنا شروع کیا تھوڑی دیر پیسنے کے بعد پھر ہاتھ سست چلنے لگا خاوند نے پھر وہی کیا جو پہلے کیا تھا غرض صبح تک حافظ جی سے خوب چکی پسوائی اور خوب جوتہ کاری کی جب یہ دیکھا کہ حافظ جی کو کافی سزا مل چکی ہے تو حسب قرارداد خاوند۔ وہاں سے ٹلگیا عورت نے کہا حافظ جی اب موقعہ ہے آپ جلدی سے تشریف لیجائیے ایسا نہ ہو وہ ظالم پھر آجاوے حافظ جی وہاں سے بھاگے اور مسجد میں آکر دم لیا یہ قصہ تو رفت گذشت ہوا اس کے بعد عورت کو شرارت سوجھی اور اسنے لڑکے کے ہاتھ پھر سلام کہلا بھیجا حافظ جی نے کہا ہاں میں سمجھ گیا آٹا نہیں رہا ہوگا خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ کہنا ہمکو یہ ہے کہ مثنوی میں حسن صوری بھی ہے اور معنوی بھی مگر اس کے سمجھنے کے لئے ذوق سلیم کی ضرورت ہے یہ سب کچھ ہے مگر اس کے مضامین کی دقت اور اس کے ذو وجوہ ہونے نے اسکو اس قابل نہیں رکھا کہ وہ عوام کے ہاتھوں میں رہے کیونکہ اس سے لوگوں کی گمراہی کا سخت اندیشہ ہے اس بنا پر جی یوں چاہتا ہے کہ اس کو یوں پردہ میں چھپایا جاوے کہ کسیکو اس کی ہوا بھی نہ لگے کیونکہ گو مثنوی اپنی ذات سے ایک کتاب ہدایت ہے اور اس سے جو گمراہی پھیلتی ہے اس کی ذمہ دار خود لوگوں کی نااہلیت ہے

مگر جس وقت کہ اس کی اشاعت میں ایک مفسدہ ہے گو خارجی ہے اور شیوع
اوس کا ضروری نہیں تو اس وقت ضرورت اس کی ہے کہ اسکو شائع نہ کیا جاوے
اس لئے کہ یہ شرعی قاعدہ ہے کہ جس بات سے کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے اور وہ
خود ضروری نہ ہو تو اس کو روکدیا جاتا ہے ہاں اگر وہ امر خود ضروری ہو اور
اس میں کوئی مفسدہ بھی ہو تو خود اس کو نہ روکا جاوے گا بلکہ اس وقت خود
مفاسد کو روکا جاوے گا لیکن اس وقت اس کے اشاعت کا بند ہونا تو ناممکن
ہے کیونکہ اس کے لئے ضرورت ہے حکومت کی اور حکومت ہے نہیں تو اشاعت
کیونکر رکے پس اب دو صورتیں ہیں یا تو مثنوی سے بالکل تعرض نہ کیا جاوے اور
اسپر جو مفاسد مرتب ہوں ہونے دیا جاوے یا ان مفاسد کو دور کرنے کی کوشش
کی جاوے پہلی صورت کچھ اچھی نہ معلوم ہوتی تھی اس لئے جی چاہتا تھا کہ مثنوی کی کوئی
ایسی شرح ہو جاوے جو اس کے مضامین کو شریعت پر منطبق کردے مگر اس طرح کہ
حق بھی نہ چھوٹنے پائے تاکہ ایک حد تک مفاسد کا انسداد ہو جاوے اب تک جو
لوگوں نے حواشی و شروح لکھے وہ فرداً فرداً تو کافی نہیں کیونکہ بعض نے تو فن کو چھوڑ
دیا ہے جیسے محض اہل علم ظاہر اور بعض نے شریعت کو چھوڑ دیا جیسے ولی محمد اور
بعض ایسے ہیں جن کو مذاق سخن حاصل نہیں ہے اور جب تک مذاق سخن نہ ہو اس
وقت تک کسیکی کلام کی شرح ناممکن ہی غرض کہ جہاں تک ہم نے غور کیا ہمکو کوئی شرح
یا حاشیہ ایسا نہ ملا جو ان تمام باتوں کا جامع ہو یہ ممکن ہے کہ ان سب کے مجموعہ
سے مقصود حاصل ہو جاوے مگر اس میں اول تو یہ وقت ہے کہ ہر شخص کے پاس
اتنا ذخیرہ جمع ہونا مشکل پھر اگر جمع بھی ہو جاوے تو ہر شخص میں تنقید کی قابلیت کب ہاں
اس بنا پر جی چاہتا تھا کہ کوئی ایسی شرح ہو جاوے جس میں ان تمام باتوں کا حتی الامکان لحاظ
رکھا گیا ہو لیکن احباب کے اصرار سے یہ بار خود مجھی کو اٹھانا پڑا اور میں نے دفتر اول کی
شرح پوری کردی اس کے بعد کئی سال تک ہمت پست رہی پھر احباب کی طرف سے بھی اصرار
ہوا تو کچھ آمادگی ہوئی لیکن یہ امید نہ ہوتی کہ میں اسکو پورا کر سکونگا اسلئے خیال ہوا کہ کچھ اور

لکھدیا جاوے اور میں نے حاجی صاحب سے سُنا تھا کہ دفتر ششم میں اسرار بہت ہیں
اس لئے خیال ہوا کہ دفتر ششم کی شرح بھی ہو جاوے تو اچھا ہے اس بنا پر میں نے دفتر ششم
کی شرح شروع کی اور بدقت تمام اسکو ختم کیا اب تو ہمت بالکل ہی پست ہو گئی لیکن
احباب کا اصرار اسی طرح پھر ہوا تب خیال ہوا کہ اسکو پورا ہونا چاہئے اور ہمت بھی نہیں
اسلئے اس کے لئے یہ تدبیر بتلائی کہ میں پڑھا دوں اور پڑھنے والے ضبط کر لیں چنانچہ دفتر
ثانی دفتر ثالث۔ نصف اول دفتر رابع ربع اول دفتر خامس کی شرح اس طرح۔ تحریر
مولوی حبیب احمد و مولوی شبیر علی تمام ہو گئی اس کے بعد بعض عوارض کی وجہ سے اسکے
درس کا سلسلہ موقوف ہو گیا مگر اس کی تحریر موقوف نہیں ہوئی یعنی میں نے مولوی
حبیب احمد کو بوجہ اس کے کہ میرے خیال میں ماشاء اللہ ان کو مثنوی سے پوری مناسبت
بھی اجازت دیدی کہ تم خود لکھ لو اور جو مقام حل نہ ہو یا جہاں کہیں کوئی شبہ ہو مجھ سے
پوچھ لو نصف ثانی دفتر رابع ربع ثانی و ثالث و رابع دفتر خامس کی شرح اس طرح تمام
ہوئی۔ غرض چار دفتر تو یوں تمام ہوئے اور دو دفتر میں خود لکھ چکا تھا اس لئے اب
بفضلہ تعالیٰ پوری مثنوی کی شرح ہو گئی چونکہ حق سبحانہٗ کا یہ ایک بہت بڑا انعام
اور احسان تھا اس لئے جی چاہا کہ اس کے ادائے شکر کے لئے بے تکلف و اہتمام خاص
ایک جلسہ کیا جاوے جس میں حق سبحانہٗ کی اس نعمت کو ظاہر کیا جاوے کیونکہ اظہار نعمت
بھی شکر ہے اگر بہ نیت تفاخر نہو چونکہ بعض وہ احباب موجود نہ تھے جن کے شریک
کرنیکو جی چاہتا تھا اس لئے اس میں ذرا تاخیر ہو گئی آج وہ بھی اتفاقاً آ گئے اور بعض احباب
غیر متوقع بھی آ گئے اس لئے خیال ہوا کہ یہ کام آج ہی ہو جاوے تو اچھا ہے اسلئے
یہ مختصر اور بے تکلف جلسہ منعقد کیا گیا گو شرح مثنوی کا کام ہمارے کئی کے ہاتھوں
انجام پایا ہے مگر ہمیں اسپر ناز نہونا چاہئے کیونکہ حق سبحانہ فرماتے ہیں۔

ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لہا وما یمسک فلا مرسل لہٗ
من بعدہٖ وھو العزیز الحکیم

یعنی حق سبحانہ جس چھوٹی یا بڑی نعمت کو کھولدیں اسکو کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو

وہ بند کردیں اس کو کوئی چھوڑنے والا نہیں اور وہی غالب مطلق اور حکیم مطلق ہیں
نیز فرماتے ہیں ما اصابکم من نعمۃ فمن اللہ یعنی جو نعمت تم کو ملی وہ حق سبحانہ
کی طرف سے ہے ان نصوص میں تصریح ہے کہ ہر نعمت خواہ علم ہو یا کچھ اور اسی کے اختیار میں
ہے اور بدون اوس کے دئے کسیکو نہیں مل سکتی پس بجائے اس کے کہ ناز کیا جاوے
ہمکو حق سبحانہ کا شکر کرنا چاہئے کہ اسنے ہمپر انعام کیا اور ہم سے یہ خدمت لی ہمکو
ناز کا کیا حق ہو سکتا ہے جب کہ خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد ہوتا ہے۔
لئن شئنا لنذھبن بالذی اوحینا الیک ان یشاء اللہ یختم علی قلبک
پس ہم کو خدائے تعالی کا شکر ادا کرنا چاہئے یہ مضمون تو حق سبحانہ کے شکر
سے متعلق تھا اب میں کہتا ہوں کہ حدیث میں ہے من لم یشکر الناس لم
یشکر اللہ اس لئے مجھے شارحین کی شکر گذاری کی بھی ضرورت ہے کیونکہ ان سے
مجھے اس مقصد میں مدد ملی ہے سو ایک تو ان کی شکر گذاری کی یہی صورت
ہے کہ ان کا ثنا کی ساتھ ذکر ہو رہا ہے اور دوسری صورت ان کی شکر گزاری کی
یہ کہ میں ان کے لئے دعا کرتا ہوں کہ ان پر حق تعالی اپنی رحمت فرماویں اور انکو تقوی
حقیقی نصیب فرمائیں اور تیسری صورت یہ ہے کہ میں ان کے لئے کوئی ہدیہ تجویز کروں سو
مولوی شبیر علی تو میری مثل جز کے ہیں ان کے لئے کوئی ہدیہ تجویز کرنا تو خود اپنے لئے
تجویز کرنا ہے اور مولوی حبیب احمد میرے دوست ہیں گو وہ بھی میرے لئے من وجہ
جز ہی کی مثل ہیں مگر پھر بھی دونوں میں بہت فرق ہے اسلئے میں ہدیہ رسم صالح کے طور
پر صرف مولوی حبیب احمد کے لئے تجویز کرتا ہوں اس تفریق کی تائید اس واقعہ
سے بھی ہوتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لو کان بعدی
نبی لکان عمر اور یہ نہیں فرمایا لکان ابوبکر اس کی وجہ استادی علیہ الرحمۃ نے یہ
بیان فرمائی ہے کہ ابوبکر صدیق بوجہ شدت تعلق برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملحق
برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حکم ما بعد کے مضاف الیہ میں داخل ہیں گو حیثیات
الحاق دونوں واقعوں میں جدا گانہ ہیں مگر اس سے اصل مقصود پر اثر نہیں پڑتا دوسری

وجہ فرق کی یہ بھی ہے کہ دیہ ہنسکر فرمایا کہ مولوی حبیب احمد نے شرح کو پورا کیا ہے اور مولوی شبیر علی نے پورا نہیں کیا اس کی ساتھہ ہی یہ بات بھی ہے کہ جو بات محبت سی ہو وہ خود بھی محبوب ہے خواہ فعل ہو خواہ ترک ہو کیونکہ کبھی فعل مودی ہوتا ہے معنی کی طرف اور کبھی ترک خیر جو تحفہ میں نے مولوی حبیب احمد کے لئے تجویز کیا ہے وہ اب میں پیش کرتا ہوں برگ سبز ست تحفہ درویش اس تحفہ کو حقیر نہ سمجھئے یہ میری ٹوپی ہے جس میں یہ شعر لکھا ہوا ہے ؎

گشتہ مفتاح باب مثنوی ؛ اے حبیب مولوی معنوی

اس میں لفظ حبیب مضاف ہی مگر بشکل موصوف اسکو عربی میں یوں پڑھا جاسکتا ہی

صرت مفتاحا لباب المثنوی ؛ یا حبیب المولوی المعنوی ؛

میں نی اسپر ۱۳۳۶ھ بھی یادداشت کی لئے لکھدیا ہے اور میں حبیب احمد کو مفتاح المثنوی کا لقب دیتا ہوں اور صلاح اعمال کی دعا کرتا ہوں اسکی بعد اتمام ذرہ نوازی کے لئے اس نا اہل کو اپنے دست مبارک سے ٹوپی اڑہادی حبیب احمد ہیل شارحین کو حق سبحانہ کا ارشاد۔ ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لہا وما یمسک فلا مرسل لہ پھر یاد دلاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ وہ اسپر ناز نہ کریں بلکہ خدا کا شکر کریں کیونکہ یہ ان کا انعام ہے جو ان پر کھولا گیا ہے اگر وہ بند کر لیتے تو پھر اس کا کوئی کھولنے والا نہ تھا اسلئے میں اس وعظ کا نام شکر المثنوی رکھتا ہوں اور حضرت حاجی صاحب نے فرمایا تھا کہ مثنوی کے سبق کے بعد یہ دعا کیا کرو کہ اے اللہ جو کچھ اس میں ہی ہمیں بھی نصیب ہو سبحان اللہ کیسی مختصر اور جامع دعا ہے اور ایک دفعہ اس دعا کے بعد فرمایا تھا کہ جو لوگ اس وقت موجود ہیں انشاء اللہ تعالی سب کو ایک ذرہ محبت عطا ہو گا آپنے تو یہ بشارت دی تھی کہ جتنے لوگ۔ اس جلسہ میں شریک ہیں سب کو اس میں سی حصہ ملیگا ہم بشارت کے قابل نہیں ہاں ہم کو حق سبحانہ کے فضل سے امید ہی کہ جتنے اس جلسہ میں شریک ہیں ان کو بھی انشاء اللہ تعالی اس سے حصہ ملیگا۔ اس جلسہ میں تقسیم کے لئے مٹھائی بھی منگائی گئی ہے جو تقسیم ہونیوالی ہے جو لوگ اس تقسیم میں ایسے ہیں جن کو مٹھائی

دینے سے ثواب ملے اے اللہ اس کا ثواب حضرت مولانا رومی کو پہونچے یہ فاتحہ مروجہ نہیں ہے کیونکہ اس میں اور فاتحہ مروجہ میں بہت فرق ہے اہل بدعت کی شیرینی وغیرہ ان کے آگے ہوتی ہے ہماری مٹھائی بائیں طرف رکھی ہے وہ کسی شے پر فاتحہ دے کر خود ہی کھا لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس شے کا ثواب مردہ کو پہونچ جاویگا ہماری یہاں ایسا نہیں ہے ایک عورت کا قصہ ہے کہ جب وہ کوئی چیز پکاتی تو اس کو چند پیالوں میں اتارتی اور کہتی کہ یہ فلانے کے نام کا ہے اور یہ فلانے کے نام کا اس کا ثواب فلانے کو پہونچے اور اسکا فلانے کو یہ کہکر سب کو خود کھا جاتی سو ہمارے فاتحہ تو ایسی نہیں اہل بدعت کے یہاں ثواب کی تین قسمیں ہیں ایک مستحقین کو دینے کا ایک غیر مستحقین کو دینے کا ایک خود کھانے کا اسلئے ان کی مردوں کو ثواب بھی کم پہونچتا ہے کیونکہ جو غیر مستحقین کو دیدیا گیا یا خود کھالیا گیا اس کا ثواب تو کیوں ہی پہونچیگا رہا وہ جو مستحقین کو دیا گیا ہے اس میں اگر خلوص نہ تھا جو کہ اغلب ہے کیونکہ ان کی ایصال ثواب میں یا ریا و تفاخر ہوتا ہے یا محض پابندی رسم و تقلید آبا، تو وہ یوں اکارت گیا اب تبلائیے مردوں کو کیا پہونچا بر خلاف اہل حق کے کہ جب وہ ایصال ثواب کرینگے تو اس میں اسکی شرائط کا لحاظ رکھیں گے اسلئے سارا ثواب مردوں کو پہونچیگا ایک قصہ ہے کہ ایک شخص نے منت مانی تھی منت کا کھانا جن لوگوں کو کھلایا گیا ان میں کوئی تحصیلدار تھا کوئی پیشکار غرضکہ سب اغنیاء تھے ایک شخص نے کہا بھائی جسنے مساکین نہ دیکھے ہوں اس جلسہ میں دیکھ لے اگر کسیکو ہمارے مولانا کو ثواب پہونچانے پر یہ شبہ ہو کہ وہ تو خود بزرگ ہیں ان کو ثواب پہونچانے سے کیا فائدہ اسکا جواب یہ ہے کہ اس میں دو فائدے ہیں ایک فائدہ تو خود بزرگوں کا ہی وہ یہ کہ ان کے مراتب بلند ہوں گے اور ان کی تقرب خداوندی میں اضافہ ہوگا جس کے وہ ہمسے زیادہ طالب ہیں دوسرا فائدہ خود ہمارا ہے کہ ان کے تعلق سے حق سبحانہ کو ہم سے تعلق ہوگا کیونکہ وہ خدا کے دوست ہیں اور دوست کا دوست دوست ہوتا ہے۔

اب میں آیت متلوہ کے متعلق تھوڑا سا مضمون اور بیان کرتا ہوں اس کے بعد اس بیان کو ختم کردوں گا وہ یہ ہے کہ حق سبحانہ نے جس طرح اس آیت میں اپنے

عموم قدرت و قہر و غلبہ کو صراحۃً بیان فرمایا ہے یوں ہی انہوں نے اس میں اپنے کمال جود و کرم کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ آیت میں جملہ اولیٰ میں فتح کے مقابلہ میں امساک لائے ہیں اور امساک کے مقابلہ میں فتح اور جملہ ثانیہ میں امساک کے مقابلہ میں ارسال لائے ہیں اور ارسال کے مقابلہ میں امساک۔

پس اس میں دو امر خلاف ظاہر ہیں ایک تو جملہ اولیٰ میں فتح کے مقابلہ میں امساک اور امساک کے مقابلہ میں فتح لانا کیونکہ فتح کا مقابلہ غلق ہے نہ کہ امساک اور امساک کا مقابلہ ارسال ہے نہ کہ فتح اور دوسرا یہ کہ جملہ ثانیہ مقابل ہے جملہ اولیٰ کا اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ فتح کا مقابلہ غلق ہے نہ کہ امساک۔

پس جملہ اولیٰ میں مایفتح اللہ فرمایا اور اس کے مقابلہ میں جملہ ثانیہ میں مایمسک فرمانا خلاف مقتضائے تقابل ہے اس بنا پر آیت مذکورہ پر شبہ ہوتا ہے کہ اس میں تقابل کی رعایت نہیں رکھی گئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ رعایت معنوی چونکہ رعایت لفظی پر متقدم ہے اور رعایت معنوی عدم لحاظ تقابل میں تھی اس لئے اس کا لحاظ نہیں کیا گیا تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس آیت سے جس طرح اظہار کمال قدرت مقصود ہے یوں ہی اس میں غایت کرم اور کمال جود کی طرف بھی اشارہ ہے پس جملہ اولیٰ میں بجائے لفظ ارسال کے فتح کا لفظ اس واسطے استعمال کیا گیا ہے کہ گو یہ دونوں لفظ اطلاق پر دلالت کرتے ہیں مگر جو دلالت اطلاق پر لفظ فتح کرتا ہے وہ دلالت لفظ ارسال نہیں کرتا اس لئے مایفتح اللہ میں اشارہ ہوگا اس طرف کہ جب حق سبحانہ کسی پر رحمت کرتے ہیں تو بہت اور بیدریغ کرتے ہیں اور یہ اشارہ ارسال میں نہ تھا اس لئے بجائے ارسال کے فتح لایا گیا اور بجائے غلق کے امساک کا لفظ اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ جس قدر کمال قدرت نفی ممسک سے ظاہر ہوتا ہے اس قدر نفی غالق سے ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ غلق خاص ہے

اور امساک عام اور نفی عام تو نفی خاص کو مستلزم ہے مگر نفی خاص نفی عام کو مستلزم
نہیں اور جملہ ثانیہ میں لفظ امساک بجائے غلق کے اس لئے لایا گیا ہے کہ وہ دلالت
کرتا ہے کرم پر کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق سبحانہ جب کسی پر انعام نہیں کرتے
تو یہ اس کا بند کرنا نہیں ہوتا کہ پھر جاری نہ ہو بلکہ کسی وجہ سے عارضی طور پر روک لینا
ہوتا ہے اور زوال عارض کے بعد پھر اس کا اجراء ہو جاتا ہے۔
پس ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا غالق لھا اس لئے نہیں کہا کہ اس میں
گو کثرت جود کی طرف اشارہ ہے مگر اس سے کمال قدرت کا اظہار نہیں ہوتا کیونکہ نفی
غالق کے لئے نفی ممسک لازم نہیں اور ما یرسل اللہ للناس من رحمۃ
فلا ممسک لھا اس واسطے نہیں فرمایا کہ اس میں گو کمال قدرت کا اظہار ہے
مگر اس سے کمال جود مفہوم نہیں ہوتا اور ما یرسل اللہ للناس من رحمۃ
فلا غالق اس واسطے نہیں فرمایا کہ نہ اس میں کمال قدرت کا اظہار ہے اور
نہ کمال جود کی طرف اشارہ اور ما یغلق فلا فاتح لہ اس واسطے نہیں فرمایا
کہ حق سبحانہ کی طرف سے غلق رحمت نہیں ہوتا بلکہ فقط امساک ہوتا ہے
جو کہ ادنیٰ ہے غلق سے نیز اس میں کمال قدرت پر بھی دلالت نہیں ہے
کیونکہ نفی فاتح مستلزم نفی مرسل نہیں ہے اور ما یغلق فلا مرسل لہٗ۔
اس واسطے نہیں فرمایا گو اس میں کمال قدرت پر دلالت ہے مگر حق سبحانہ
غلق رحمت نہیں فرماتے اور ما یمسک فلا فاتح لہ اس واسطے نہیں فرمایا
کہ اس میں کمال قدرت پر دلالت نہیں ہے اس تفصیل کے بعد آیت کا حاصل
یہ نکلا کہ حق سبحانہ جب کسی پر کوئی عنایت کرتے ہیں تو بے دریغ کرتے ہیں اور
خود ان کی طرف سے کوئی روک نہیں ہوتی اور جس کسی پر وہ عنایت کرتے ہیں
اس کا کوئی بند کرنے والا تو درکنار روکنے والا بھی نہیں ہوتا اور جس پر وہ
رحمت نہیں کرتے تو وہ اسکو بند نہیں کرتے بلکہ کسی عارض کی وجہ سے روک
لیتے ہیں اور اگر وہ عارض زائل ہو جائے تو پھر جاری فرما دیتے ہیں اس سے

اہل سلوک کو خاص طور پر سبق لینا چاہئے اور اگر کسی وقت احوال و مواجید اور ذوق شوق میں کمی آجاوے یا وہ بند ہو جاویں تو مایوس نہوں کیونکہ حق سبحانہ نہایت کریم ہیں اس لئے وہ کسی نعمت کو خود نہیں روکتے بلکہ کسی عارض کے وجہ سے روکتے ہیں اور عارض کبھی معصیت ہوتا ہے اور کبھی غیر معصیت پس اگر معصیت ہو تو اس کا توبہ و استغفار سے تدارک کرنا چاہئے حق سبحانہ پھر اس کو جاری فرمادیں گے اور اگر غیر معصیت ہو تو سمجھنا چاہئے کہ یہ روکنا کسی خاص مصلحت سے ہے اور مفید ہے نہ کہ مضر اس لئے اس کی کچھ پروا نہ کرنی چاہئے اور اپنا کام کرتے رہنا چاہئے اور پریشان نہ ہونا چاہئے کیونکہ حق تعالیٰ حکیم ہیں۔

چنانچہ اسی آیت میں وھو العزیز الحکیم فرمایا ہے اس لئے ان کی کسی نعمت کے روکنے میں کوئی مصلحت ہوتی ہے خود میرا واقعہ ہے کہ ابتداء میں جب کہ جوش زیادہ تھا۔ ایک مرتبہ خیال ہوا کہ ہم کو طلب بھی ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ حق سبحانہ کو ہماری حالت کا علم ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ ان کو قدرت تامہ بھی حاصل ہے اور کریم بھی ہیں۔ پھر ان باتوں کے ہوتے ہوئے دیر کیوں ہے اس کا جواب میری سمجھ میں کچھ نہ آیا جب بہت پریشانی بڑھی تو خیال ہوا کہ مولانا رومی سے مشورہ لو یہ خیال کر کے مثنوی کھولی تو پہلے ہی صفحہ پر یہ اشعار نکلے جن میں چاروں مقدمے وہ تھے جو میں نے قائم کئے تھے اور پانچواں مقدمہ اور رہا جو کہ میرے ذہن میں نہ تھا جس کے نہونے کے سبب میری سمجھ میں جواب نہ آتا تھا یعنی یہ کہ وہ حکیم بھی ہیں اور اس تاخیر میں حکمت ہے اشعار مذکورہ یہ ہیں ؎

چارہ می جوید پئے من درد تو | می شنودم دوش آہ سرد تو
می توانم ہم کہ بے این انتظار | رہ نمایم دادہم راہ گذار
تا ازیں طوفان دوراں وارہی | بر سر گنج وصالم پا نہی
لیک شیرینی ولذات مقر | ہست بر اندازۂ رنج سفر
آنگہ از فرزند و خویشاں برخوری | کز غریبی رنج محنتہا بری

حاصل اشعار یہ ہی کہ یہ مسلم ہے کہ تمہارا درد عشق میرے وصال کی تدبیر کا طالب ہے
اس میں میرا مقدمہ اولی تسلیم کیا ہے) اور میں کل رات تمہاری آہ سرد کو سنتا بھی
تھا اس میں میرے مقدمہ ثانیہ کو مانا گیا ہے) اور میں یہ بھی کر سکتا ہوں کہ تم کو اپنے
وصال کی طرف رہنمائی کروں اور تمہیں آنے کے لئے رستہ دیدوں تاکہ تم گردش کے
طوفان سے نجات پا جاؤ اور میرے گنج وصال پر پہونچ جاؤ (اس میں میرے مقدمہ ثالثہ
کو تصریحًا اور رابعہ کو اشارۃً تسلیم کیا ہے) لیکن دکیقدر تاخیر کے بعد کیونکہ قاعدہ ہی
کہ) گھر کا مزہ اور اس کی لذت اسی قدر حاصل ہوتی ہے جس قدر کہ سفر میں تکلیف
اٹھائی ہو اور تم کو اپنے بال بچوں اور عزیز و اقارب سے ملکر لطف تام اُسی وقت حاصل
ہوتا ہے جب کہ سفر میں بہت کچھ تکلیفیں اور زحمتیں اُٹھانی پڑیں اس مضمون میں ایک
مقدمہ خامسہ بتلایا ہے اور میرے تمام مقدمات کو تسلیم کر کے اسی مقدمہ خامسہ سے
شبہ کا جواب دیا ہی جس کا حاصل یہ ہی کہ ہم حکیم بھی ہیں اور ہمارے کام مصلحت سے ہوتے
ہیں اس توقف میں یہ مصلحت ہے کہ جب تمہیں ہمارا وصال نصیب ہو تو تمہیں اس کی
قدر ہو واقعی بات یہ ہی کہ جو راحت بہت سی تکالیف کے بعد حاصل ہوتی ہے اس میں
نہایت ہی لطف آتا ہی ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مجھے مولوی ناظر حسن کی بارات میں شریک
ہونے کا اتفاق ہوا (پہلے تو میں بارات میں شریک ہو جاتا تھا مگر اب شریک ہونا چھوڑ
دیا ہے) بارات دیر میں رخصت ہوئی اور راستہ ہی میں رات ہو گئی مینہ اور آندھی رعد
و برق کے ساتھ جو آئی لوگ اپنی اپنی گاڑیاں اُڑا لے گئے ہماری گاڑی بھی اکیلی رہ گئی
غرض بعید تکلیف ہوئی اللہ اللہ کر کے تھانہ بھون آیا جب میں گھر پہونچا ہوں میں نہیں کہہ
سکتا کہ اسوقت مجھے کس قدر لطف آیا ہے اور کس قدر راحت حاصل ہوئی ہی اسی
پر ان سالکین کی حالت کو قیاس کر لینا چاہئے جو بہت سی تکالیف برداشت کرنے کے بعد
مقصود تک پہونچے ہیں اب ایک بات اور بیان کرتا ہوں اس کے بعد بیان کو ختم کرتا ہوں
وہ یہ کہ حق سبحانہ نے فرمایا ہی وما یمسکؔ فلا مرسل لہ من بعدہ من بعدہ میں مضاف
محذوف ہی ای من بعد امساکہ چونکہ مضاف بلا ذکر بھی سمجھا جاتا تھا اسلئے اسکو حذف کر دیا گیا

غرضکہ قرآن میں لفظی اور معنوی دقائق و محاسن بے انتہا ہیں مگر جس قدر ان کو اہل زبان سمجھ سکتے ہیں غیر اہل زبان نہیں سمجھ سکتے ایک شاعر کا واقعہ ہے کہ اس نے بڑی محنت اور دماغ سوزی کے بعد ایک شعر کہا اور اسپر بہت خوش ہوا شعر یہ تھا ؎

سیبہ چوری بدست آن نگار نازنین دیدم بشاخ صندلیں پیچیدہ مار آتشیں دیدم

اور بہت فخر کی ساتھ ایک اہل زبان شاعر کو سنایا اسنے سنتے ہی ناک چڑھائی اور بجائے اس کے کہ تعریف کرتا یہ کہا کہ تم نے شعر کا ناس کر دیا نازنین دیدم آتشیں دیدم۔ کیا یوں کہو ؎

سیبہ چوری بدست آن نگارے بشاخ صندلیں پیچیدہ مارے

اس اصلاح نے شعر کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا واقعی زبان کا لطف اہل زبان ہی کو حاصل ہوتا ہے غیر اہل زبان کو وہ لطف نہیں آتا اچھا اب دعا کرو مولانا رومی کے لئے بھی شارحوں کے لئے بھی اور وعظ لکھنے والوں کے لئے بھی اور تمام مسلمانوں کے لئے بھی کہ خدا تعالیٰ ہر غلطی سے بچائیں آمین۔